ڈاکٹر صدف فاطمہ

22-E، بلاک6، PECHS

محمد علی جناح یونیورسٹی، کراچی

جاوید منظر اور خواب سفر

Kazim Javaid Alam, known as Dr. Javaid Manzar is the honorary secretary finance and literary affairs of Anjuman-e-Taraqqui-e-Urdu Pakistan. He is one of the contemporary popular Urdu poets. He is known for his Urdu Ghazal writing.Although his basic poetic medium of expression is Urdu Ghazal, yet Dr. Javaid is also a good poem writer. Some of his poems are important sketches of contemporary life. These poems have a reference value on certain social and cultural matters.Dr. Javaid has also composed poetry in other genres such ashamd, Naat, salaam, Elegy, etc.

Following, biographical historical approach, this paper critiques Javaid's poetry and its relevance to the contemporary world.

کاظم جاوید عالم جو دنیائے ادب میں جاوید منظر کے نام سے پہچانے جاتے ہیں انجمن ترقی اردو پاکستان میں مشیر مالیات ونگراں ادبی و انتظامی امور (اعزازی) ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے نامور شعرا میں شمار ہوتے ہیں جاوید منظر کا نام ہی ان کی شخصیت اور شاعری کا اشاریہ ہے۔

خاندانی نام کاظم جاوید عالم تخلص منظر اور ادبی دنیا میں جاوید منظر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۸ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ جاوید منظر کا تعلق شعر وسخن کی بستی بدایوں کے علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔[۱]

جاوید منظر کے والدین کا تعلق بدایوں کی اس عظیم الشان بستی سے ہے جہاں محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور حضرات امیر خسرو نے بھی جنم لیا۔ اودھ کی تہذیب اور علم و ادب کی خوشبو والدین سے ان تک بھی پہنچی۔[۲]

جاوید منظر کے دادا مولوی محمد اقتدار عالم بدایوں کے معروف وکیل اور عالمِ دین تھے۔ ان کے دادا کے بھائی مولوی محمد اکرام عالم سماجی شخصیت ہونے کے علاوہ مسلم لیگ کے رکن، قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کے قریبی ساتھیوں میں تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان کے والدین ہجرت کرکے پاکستان چلے آئے۔ ابتدا میں خیر پور میں قیام رہا۔ بعد میں ۱۹۴۸ء میں والدین اور اہل و عیال کے ہمراہ کراچی آ گئے۔ پیرالٰہی بخش کالونی میں قیام رہا۔ بعد میں العالمین بلاک نارتھ ناظم آباد کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔[۳]

جاوید منظر کے والد ڈاکٹر الحاج حسن ممتاز عالم بدایونی مرحوم خود بھی شاعر تھے۔ اس لیے اہل علم و دانش کی ایک بڑی

تعداد ان کے حلقہ احباب میں شامل تھی۔ جن میں نواب بہادر یار جنگ، حضرت یاس یگانہ چنگیزی، مولانا ماہرالقادری، تابش دہلوی، رئیس امروہوی، رشید ترابی اور خواجہ ناظم الدین بھی تھے۔[۴]

جاوید منظر کی والدہ (ناظرہ عالم) بھی شاعرہ تھیں، حمد، نعت، منقبت، سلام خوب کہتی تھی۔[۵]

چونکہ جاوید منظر نے ایسے علمی اور ادبی ماحول میں پرورش پائی اس لیے ۱۳ برس کی عمر میں شعر کہنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس وقت وہ آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے۔[۶]

جاوید منظر کی تعلیم کراچی میں ہوئی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسکاؤٹنگ میں بھی سرگرم حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۶۷ء کے سہ ماہی 'سیپ' میں جس کی ادارت نسیم درانی کرتے تھے۔ ان کی پہلی غزل نمایاں طور پر منظر عام پر آئی جس کا مطلع ہے:

دفعتاً بچھڑے گا وہ بھی دل کو یہ دھڑکا نہ تھا

جو مرے ہمراہ تھا لیکن میرا سایہ نہ تھا

اس کے بعد سے جاوید منظر کی شعری تخلیقات کی اشاعت کا سلسلہ چل نکلا جو ہنوز جاری ہے۔ ۱۹۶۷ء سے بزم طلبا ریڈیو پاکستان کے ممتاز پروڈیوسر یاور مہدی نے ریڈیو کے مشاعروں میں بزم طلبا کا پروگرام رکھا۔ اس دور میں بزم طلبا کے مشاعروں میں اکثر و بیشتر اشرف شاد، پروین شاکر، ضیغم زیدی، شہاب الدین شہاب، تاجدار عادل، ولی رضوی، نقاش کاظمی، اقبال فریدی، احمد جاوید، جیلانی، ثروت حسین اور ایوب خاور وغیرہ ہوتے تھے۔ جو کہ ان کے دوستوں میں شامل تھے۔

۱۹۷۶ء میں عمان گئے یہاں محکمہ دفاع میں اکاؤنٹس کے اہم محکمے سے وابستہ رہے۔ اس دور میں ان کی علمی اور ادبی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ سلطنت آف عمان میں تقریباً ایک برس قیام کرنے کے بعد مستقلاً کراچی میں آ گئے۔

یہاں آپ نے پاکستان اسٹیل میں بحیثیت اسسٹنٹ مینیجر آڈٹ تقرری حاصل کی، پاکستان اسٹیل ہی سے ۲۰۰۸ء میں ریٹائر ہوئے۔

زمانہ طالب علمی میں جاوید منظر کے قریبی ساتھیوں میں احمد حقانی، رضوان بیگ، محمد ایوب، عتیق الرحمٰن خان، علی حمزہ گوہر المعروف (علاّمہ حمزہ علی قادری) نمایاں رہے۔

آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی کی تاحیات رکنیت کے علاوہ پاکستان اسٹیل کی بزم ادب کے صدر، آفیسرز کلب کی ادبی کمیٹی کے رکن اور کلچر کمیٹی پاکستان اسٹیل کی رکنیت اور انجمن ترقی اردو پاکستان کی تاحیات رکنیت کے علاوہ پاکستان بوائے اسکاؤٹس صوبہ سندھ کے تاحیات رکن ہیں۔

جاوید منظر بنیادی طور پر غزل کو شاعری کی اساس جانتے ہیں اور زیادہ تر غزل کو اظہار کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ گو کہ نظمیں بھی کہتے ہیں اور دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں نثری نظم کے لیے ان کی رائے ہے کہ نثر اور نظم کو یکجا کرنے پر نثری نظم کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جو قابل اعتراض بھی نہیں مگر بہتر نہیں۔ آپ ہر صنفِ ادب کو اس کی حدود میں رکھ کر پروان چڑھانے کے حامی ہیں۔[۷]

ڈاکٹر جاوید منظر مہذب اور سچے انسان ہیں ان کے کلام میں نرم گفتاری ہے وہ انسانی رشتوں کے تجربوں کو شاعری بناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں عمرانی اور معاشرتی شعور ہے۔

ڈاکٹر جاوید منظر کی فکر تازہ، طرزِ ادا دلنشین اور تغزل ابہام سے پاک ہے۔ روایت کے حسن کے ساتھ جدت بیان اور معانی آفرینی نمایاں ہے۔[۸]

شعر کہنا زندگی کو لکھنا ہے، اپنی زندگی کو بھی اپنوں کی زندگی کو بھی اور دوسروں کی زندگی کو بھی۔ یہ متاثر ہونے اور متاثر کرنے کا عمل ہے۔ متاثر ہونے کے لیے احساس کی اور متاثر کرنے کے لیے الفاظ کی قوت شرط ہے۔ ہمارے شہر کا یہ صاحبِ احساس اور صاحبِ تاثیر شاعر جاوید منظر بھی روشن یقین کی روشنائی سے زندگی کو لکھ رہا ہے۔ یہ زندگی ویسی نہیں ہے جیسی بظاہر نظر آتی ہے۔ ہر شاعر کا اپنا اندازِ نظر ہوتا ہے۔ جو اسے اور اس کے کلام کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ جاوید منظر کا بھی اپنا ایک زاویہ نظر ہے جو منظر کا ہی نہیں پس منظر کا تناظر بھی رکھتا ہے۔ اس عمر عزیز میں اتنا کچھ حاصل کر لینا بھی آسان نہیں ہے۔[۹]

جاوید منظر کی شاعری اتنی ہی خوبصورت ہے جتنی ان کی شخصیت۔ بس ان کی غمگین شاعری نے قاری کو کہیں کہیں بہت اداس کیا۔ جاوید منظر کی غزلوں میں ایک ایسا جمالیاتی اور جذباتی حسن پایا جاتا ہے جس نے ان کے اسلوب کو منفرد برمائیگی بخشی ہے۔ اس کیفیت میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ ایک سچے اور کھرے شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں فارمولا قسم کے مضامین اور موضوعات سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ ان کا وصال ان کا اپنا وصال ہے ان کا فراق ان کا اپنا فراق ہے۔ انھوں نے ذات اور حیات کے وہ تجربے رقم کیے ہیں جو ان کے اپنے تجربے ہیں ان کے مجموعے کو اردو دنیا میں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔[۱۰]

جاوید منظر کی شاعری ایک مہذب آدمی کی شاعری ہے۔ ان کی شاعری نے تہذیب میں آنکھ کھولی ہے ان کی شاعری میں ایک مہذب آدمی کی روح آپ سے گفتگو کرتی ہے۔ ایک شاعری ایسی بھی ہوتی ہے جو موسیقی میں آنکھ کھولتی ہے اور موسیقی ہی میں کھو جاتی ہے، گم ہو جاتی ہے۔ مگر جاوید منظر کی شاعری اِن حدود سے بالاتر ہے۔

جاوید منظر اپنی شاعری طبلے کی تھاپ پر نہیں لکھتے اور نہ کوئی بہت بڑی لے ان کی شاعری میں آپ کو نظر آئے گی۔ ہاں ایک چھوٹی سی بات ان کی شاعری نے ضرور سیکھ لی ہے اور وہ ہے گفتگو کا منفرد انداز۔ میرا مطلب ہے گفتگو کا ایک مہذب انداز، گفتگو کرنا آسان کام نہیں ہے اور شاعری میں گفتگو کرنا تو اور بھی مشکل ہے۔[۱۱]

شاعری میں آدمی آدمی کو پہچانتا ہی نہیں بلکہ اس سے گفتگو بھی کرتا ہے۔ اس زمانے میں جب اظہار کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ شاعر خاصے صحت مند لگتے ہیں جو ابلاغ کی اہمیت بھی سمجھتے ہیں۔ جاوید منظر ان معنوں میں صحت مند شاعر ہیں یعنی اپنی بات دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں اور تہذیب کا یہ بنیادی تقاضا بھی ہے کہ آدمی دوسرے آدمی تک اپنے احساس، اپنے خیال اور اپنے ارادے کو اس طرح پہنچا دے کہ اس کے لیے کسی صورت آزار کا باعث نہ ہو۔ جاوید منظر کی شاعری میں ان کے دل کے آزار تو جھلکتے ہیں مگر وہ خود زبان و بیان کے تجربے کرکے یا غیر معمولی جنس زدگی کا مظاہرہ

کر کے یا لایعنی باتیں کر کے کبھی قاری کی دل آزاری نہیں کرتے۔

جاوید منظر روایتی شاعر نہیں مگر روایت سے اس کا رشتہ منقطع بھی نہیں ہوا ہے۔ روایت اپنی جگہ ہے اور ایک جدید مزاج کی گفتگو اپنی جگہ، اس شاعر نے نظمیں بھی لکھی ہیں نظموں میں فورس بہت ہے یہ طاقت شخصیت کے بکھرنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ شخصیت، احساس اور Talant ذہانت کے اکٹھا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔

ڈاکٹر جاوید منظر کی شاعری گفتگو کرتی ہے لیکن ان کی شاعری یہ گفتگو حبیب جالب کی طرح عوام سے نہیں کرتی اور نہ مرزا غالب اور میلارمے کی طرح خواص سے کرتی ہے۔ جاوید منظر کی شاعری ان لوگوں سے مخاطب ہے جو عوام ہوں یا خواص بہرحال حساس ضرور ہیں۔

بعض شعرا کے کلام میں خاص طور پر غزل میں ماں کا ذکر دیکھ کر ذہن الجھتا ہے اسی طرح بیٹے کے ذکر سے بھی خاص طور پر غزل میں وحشت ہونی چاہیے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ شعر میں بیٹے کا ذکر بڑا خوبصورت لگتا ہے۔

چاند پر جب بھی نظر پڑتی ہے میری شاہ گل
دیکھنا فاخر کا پہروں سوچتا رہتا ہوں میں

ڈاکٹر جاوید منظر کا موضوع گفتگو وہی ہے یعنی زندگی کے دکھ درد، مگر اس کا اظہار اس خوبصورتی سے ہوا ہے کہ مرکز گفتگو سمجھ میں نہیں آتا کہ خود شاعر ہے یا اس کا عہد یعنی ہمارا آپ کا عہد۔

۱۹۸۶ء میں ان کا پہلا شعری مجموعہ 'خواب سفر' شائع ہوا۔ جس کو ادبی حلقوں میں خاص پذیرائی نصیب ہوئی۔ اس مجموعے کو لائبریری آف کانگریس واشنگٹن نے مائیکروفلم پر محفوظ کیا گیا تاکہ امریکی تعلیمی ادارے اور محققین اس سے جب چاہیں استفادہ کر سکیں۔

شاعر نے اپنے پہلے شعری مجموعے 'خواب سفر' کا آغاز نعت سے کیا ہے۔ اس میں انھوں نے نہایت خوبصورت انداز میں حضورؐ کی سیرت بیان کی ہے۔ شاعر کہہ رہے ہیں کہ ہمارا نبیؐ سچائی کا پیکر ہے وہ ہر شخص کا رہبر ہے۔ وہ جس شہر سے تعلق رکھتا ہے وہ علم کا شہر ہے۔ ہمارا نبیؐ سچائی کا علم بردار ہے اس نے جہالت کے اندھیروں کو ختم کیا میرے ایمان اور مری روح کو اسی سے تسکین حاصل ہے کل بھی وہ سب کے لیے علم و عمل کا پیکر تھا اور وہ آج بھی علم و ادب کا پیکر ہے یہ حقیقت ہے کہ میری سوچ بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتی۔

منصبِ وقت ہے سچائی کا پیکر ہے وہ
جادۂ زیست پہ ہر شخص کا رہبر ہے وہ

ڈاکٹر جاوید منظر کا ۱۹۷۶ء میں سلطنت عمان میں بوجہ ملازمت جانا ہوا۔ انھوں نے تقریباً ایک برس وہاں قیام کیا اس دوران انھوں نے بہت سی غزلیں کہیں۔ جس کو انھوں نے 'خواب سفر' میں شامل کیا ہے یوں تو وہ ہر دو، تین ماہ بعد گھر آتے تھے لیکن بیگم کی جدائی میں خط کی صورت میں منظوم اظہارِ خیال کیا ہے۔

منظر اپنی غزل زمین پہ رہ کے کہاں فکر آسمان رکھنا میں اپنی بیگم سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے بہت دور ہوں اپنا خیال رکھنا۔اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنا۔انھی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔سب سے بہت محبت سے پیش آنا۔ پھر اپنی بیوی سے حوصلہ مانگ رہے ہیں میں دیارِ غیر میں اکیلا ہوں۔ میرے بچے بھی میرے پاس نہیں ہیں۔تم بھی میرے پاس نہیں ہو۔ دعا کرو خدا مجھے یہ وقت گزارنے کی ہمت عطا کر کے میں کہیں اکیلا بکھر نہ جاؤں۔ پھر اپنے بیٹے کی جدائی کا تذکرہ کر رہے ہیں اس کی شرارتیں انھیں یاد آ رہی ہیں پھر وہ اپنے گزرے لمحوں کو یاد کر رہے ہیں۔ اپنی اہلیہ کے ساتھ محبت سے گزرا ہوا وقت یاد کر رہے ہیں کہہ رہے ہیں ہم کتنی محبت سے ایک ساتھ رہ رہے تھے اب میں تم سے دور ہوں تو وقت گزارنا مشکل لگ رہا ہے۔

بنانا ریت کے گھر تم کو یاد تو ہوگا
پھر اُن گھروں میں محبت کی سیپیاں رکھنا

منظر اپنی غزل ''خود اپنی آگ میں جلتا گہر بنا لیتا'' کے پہلے شعر میں اپنی شادی سے پہلے کے حالات بیان کر رہے ہیں ۔

جاوید منظر کہتے ہیں کہ میں ایک ایسا گھر بناؤں گا جہاں چاروں طرف محبت ہی محبت ہو منظر اس غزل کے آخری شعر میں اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

فقیہ شہر سے کیسے تجھے اماں ملتی
اگر میں اور کوئی ہم سفر بنا لیتا

منظر نے اپنی غزل ''شاخ ٹوٹی ہوئی اگاتی کیا'' میں دیارِ غیر ہونے کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ اکیلا مسقط میں ہوں۔ بیوی بچے پاکستان میں ہیں۔ اس غم کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گھر سے دوری ہے جب محبت پاس نہ ہوگی تو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے پھر وہ حضرت یوسفؑ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح حضرت یوسف بچھڑ گئے تھے اس طرح میں اپنے گھر والوں سے بچھڑا ہوا ہوں ۔

جاوید منظر کہتے ہیں کہ پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں وہ اپنے اکیلے پن کو بنجر زمین قرار دے رہے ہیں یہ کہتے ہیں کہ میرا غم صرف اہلِ خانہ سے دوری کا غم تھا جس کا کرب محسوس کر رہا ہوں۔

وہ فقط ایک ذات کا غم تھا
تم نے سمجھا تھا کائناتی کیا

جاوید منظر نے اپنی تنہائی کا اظہار نہایت منفرد انداز سے کیا ہے چوں کہ دورانِ ملازمت ملک سے دور ہیں اور اکیلے ہیں۔تنہائی کا زہر اکیلے پی رہے ہیں۔ بیوی بچوں سے دوری ہے۔ ہر شخص کا ساتھ دے رہا ہوں جیسے سارے میرے اپنے ہیں۔ میں اکیلے ماضی کو یاد کر رہا ہوں۔گزرا ہوا وقت بہت پریشان کن ہے۔ میں بہت زیادہ لوگوں میں ہوں لیکن اس کے

باوجود سب سے دور ہوں کیوں کہ یہ سب میرے اپنے خاندان کے نہیں ہیں۔ پھر وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہو رہے ہیں کہ صرف تمھاری دوری سے ہی میں بہت دکھی ہوں کہ تم میرے پاس نہیں ہو۔ مگر پھر یہ سوچ رہا ہوں کہ تم کہیں سے میرے پاس آ جاؤ کہ میرے پاس کوئی بھی نہیں ہے اور میں اکیلا تنہائی کی قید کاٹ رہا ہوں:

کوئی بھی نہیں ہے ساتھ منظرؔ
تنہائی کا زہر پی رہی ہوں

شاعر اپنی غزل ''نغمے کو لے صدف کو گہر کی تلاش ہے۔'' میں کہہ رہے ہیں کہ جس طرح صدف کو موتی کی تلاش ہوتی ہے اسی طرح میں خوشبو ہوں اور مجھے پھول سے گھر کی تلاش ہے۔ منظر اپنی غزل کے مطلع میں کہہ رہے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نگر آباد ہے ہمیں ایسے اہل نظر کی تلاش ہے جو اس کو پہچان سکے جو اس آباد نگر کو خوشبوؤں کا نگر بنا دے۔

نغمے کو لے، صدف کو گہر کی تلاش ہے
خوشبو ہوں مجھ کو پھول سے گھر کی تلاش ہے

منظر اپنی غزل ''وہ اپنے لیے تھا نہ زمانے کے لیے تھا'' میں اپنے دکھوں کو بیان کر رہے ہیں کہ میں اکیلا ہوں اندھیرے میں ہوں اپنے خاندان سے دوری کو منفرد انداز سے بیان کیا ہے:

تنہائی کے صحرا پہ نہ ابھرا کوئی چہرہ
میں روز نئے خواب سجانے کے لیے تھا

منظر اپنی غزل ''ممکن ہی نہیں شکست کھاؤں'' میں یہ بتا رہے ہیں کہ ہار اور جیت زندگی کا حصہ ہوتے ہیں، وہ بات جس کا تذکرہ کرنا بے کار ہوتا ہے اس بات کو کیوں ادا کیا جائے۔ وہ اپنی بے قراری کا اظہار منفرد انداز سے کر رہے ہیں۔

منظر کہہ رہے ہیں کہ اس دور میں زندگی گزارنا مشکل ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ میں ماضی کا حصّہ بن جاؤں تہذیب اور ثقافت مختلف ادوار میں بدلتی رہتی ہے۔ اچھائی برائی معاشرے کا حصّہ ہوتی ہیں۔ منظر کہہ رہے ہیں کہ اس دور میں دھوکہ ہے فریب ہے اس سے بہتر تو یہ ہے کہ وہ زندگی جو جنگل کی زندگی تھی کم از کم اس زندگی میں انسانیت تو تھی اب تو انسانیت نام کی کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی ہے:

اس دور میں زندگی ہے دشوار
جنگل کو میں کیوں نہ پھر بساؤں

جاوید منظر اپنی غزل ''ان گنت لوگوں میں رہ کر کس قدر تنہا ہوں میں''، میں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ گھر سے دوری کو شاعری کے پیکر میں ڈھال دیا ہے۔

منظر کہہ رہے ہیں کہ بہت سارے لوگوں کے درمیان ہونے کے باوجود میں پھر بھی تنہا ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے

کہ لوگوں سے تنہائی دور نہیں ہوتی بلکہ تنہائی کا تعلق دل سے ہے جس سے محبت ہوتی ہے وہ اگر پاس ہو تو زندگی خوبصورت لگتی ہے لیکن اگر اپنے نہ ہوں تو زندگی بے کار ہے۔

منظر پھر بھی اپنی بیوی کو یاد کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیری یاد آتے ہی میں بہت افسردہ ہو جاتا ہوں میں اپنا سب کچھ تو وطن میں چھوڑ آیا ہوں وہ اپنی غزل کے مقطع میں اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو بھی چھوڑ کر آیا ہوں، شاعر دراصل وطن سے دور اپنے اکیلے پن اور اداسی کو شعری پیکر عطا کر رہے ہیں:

تیری یاد آتے ہی مجھ کو روح تڑپانے لگی
کیا بتاؤں مہرباں کس درجہ افسردہ ہوں میں

منظر نے اپنی غزل ''مری دنیا سراسر بے بسی ہے'' میں حقیقت پسندی کا اظہار کیا ہے۔ دنیا میں دراصل انسان کے بس میں وہ کچھ نہیں ہوتا جو وہ چاہتا ہے کیوں کہ مصیبت میں اپنے بھی بھول جاتے ہیں اور پہچانتے نہیں ہیں:

مصیبت میں ہوئے اپنے پرائے
اس کا نام شاید دوستی ہے

جاوید منظر شادی کے بعد پہلی بار گھر سے باہر گئے تھے۔ عمان جانا ہوا تو اپنی اہلیہ کو منظوم خط لکھا:

وہ اپنی اہلیہ سے دوری کو ناکردہ گناہوں کی سزا قرار دے رہے ہیں وہ اپنے آپ کو مسافر کہہ رہے ہیں کہ جو دیارِ غیر میں بسلسلہ روزگار گئے ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ دل پر چوٹ گرنے سے نہیں آتی مگر اگر محبت سے دوری ہو جائے تو یہ بہت بڑی چوٹ کہلاتی ہے۔

کیا ہم سے مسافر کو قرار آ بھی سکے گا
منزل کوئی منزل کا پتہ اور ہی کچھ ہے

منظر اپنی غزل ''دوش پر بارِ غم اٹھائے ہوئے'' میں گھر سے دوری کو بیان کر رہے ہیں اور دکھ کا اظہار کر رہے ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ غم کا سارا بوجھ میرے کندھے پر پڑا ہوا ہے کیونکہ اکیلے پردیس میں ہیں اور بڑی مشکل سے یہ وقت گزر رہا ہے:

دوش پر بارِ غم اٹھائے ہوئے
چل رہا ہوں قدم جمائے ہوئے

شاعر اپنی غزل جو نہ مل بیٹھا ہو پھر اس سے شکایت کیسی میں اپنے محبت والوں سے شکوہ کر رہے ہیں کہ جب بچھڑنا ہمارے مقدر میں ہے تو شرمندگی نہیں ہونی چاہیے۔ ایک دوسرے سے بچھڑنا ہماری مجبوری ہے بچھڑنا ہی محبت کی تقاضا ہے:

جب بچھڑنا ہی محبت کا تقاضا ٹھہرا
پھر نگاہوں میں مری جان یہ ندامت کیسی

منظر اپنی غزل ''آنکھوں میں چھلکتا ہوا پیمانہ اٹھائے'' کے مقطع میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ مجھے یہ بتاؤ یہ دردِ محبت کیا ہے۔ ہم اس کو دنیا کی نظروں سے کیسے چھپا سکتے ہیں یہ تو ایسا جذبہ ہے جو چھپائے نہ چھپے۔

منظرؔ مجھے بتلاؤ کہ یہ دردِ محبت
دنیا کی نگاہوں سے کوئی کیسے چھپائے

منظر اپنی غزل محبت کا تقاضا ہو گئے ہیں میں اپنے گزرے ہوئے وقت کو خواب سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ گزرا ہوا وقت تو خواب کی طرح لگ رہا تھا اور افسوس کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہم اب خواب میں بھی اکیلے رہ گئے ہیں۔ ہم صرف زندگی میں اکیلے نہیں ہوئے بلکہ خواب میں بھی صورت نظر نہیں آ رہی ہے:

چلو پھر نیند کی بستی بسائیں
ہمارے خواب تنہا ہوگئے ہیں

منظر اپنی غزل خواہش بال و پر میں رہتا ہے میں اپنی محبت کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ میں اپنی محبت کو کیسے بھول جاؤں وہ تو ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے:

بھول جاؤں اسے مگر کیسے
وہ جو میری نظر میں رہتا ہے

منظر کہہ رہے ہیں کہ جب محبت میں ناکامی ہو جاتی ہے اور محبت سے دوری حد سے زیادہ بڑھ گئی تو دل میں سب خواہشات ختم ہو جاتی ہیں جس طرح صحرا میں سناٹا ہوتا ہے اسی طرح دل میں سناٹا طاری ہوگیا ہے:

خواہش دل کچھ ایسے فنا ہوگئی
جیسے صحرا کی کوئی صدا ہوگئی

منظر نے اپنی غزل ''ہاں محفل یاراں میں ایسا بھی مقام آیا'' میں اپنے محبت والوں سے کہہ رہے ہیں کہ دوستوں کی محفل میں جب کسی اپنے کا نام آیا تو میں اپنے آپ کو بھول کر تمھیں یاد کرنے لگا مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں تنہائی میں بکھر جاؤں گا:

ہاں محفل یاراں میں ایسا بھی مقام آیا
میں خود کو بھلا بیٹھا جب بھی ترا نام آیا

منظر کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم بہت سارے آنسوؤں کو بہا لیں مگر وہ جو بچھڑ گیا ہے وہ کبھی بھی نہیں ملتا یہ دنیا کا دستور ہے اور زندگی کی حقیقت ہے:

لاکھ آنسو بھی بہا کر دیکھے
کب ملا کوئی بچھڑنے والا

جس طرح پھولوں پر شبنم کی تہ جمی ہوتی ہے اسی طرح میں نے تم کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ منظر کہہ رہے ہیں کہ میں دوسروں کے دروازے پر دستک دے رہا ہوں۔ مجھے میرا دروازہ کب ملے گا کہ میں اس پر دستک دوں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ باغ میں بہت سارے پھول ہیں مگر میرے اس پھول کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

منظر اپنے اکیلے پن کو بنجر پہاڑوں سے تشبیہ دے رہے ہیں ایسا لگتا ہے کہ میں صدیوں سے بنجر پہاڑوں میں ہوں اور پھر ماضی کو یاد کرتے ہیں کہ جب میں اپنوں میں تھا اپنے گھر میں تھا:

اس ہجوم گل رخاں میں ایک بھی تم سا نہیں
یہ تو ناممکن ہے گلشن میں ہو شہ گل دوسرا

منظر مسقط میں تھے۔ اس زمانے میں مواصلات کا نظام اس قدر جدید نہ تھا۔ خطوط پر ہی اکتفا کیا جاتا تھا اسی کیفیت میں شاعر نے یہ غزل لکھی۔ اپنے پیاروں سے خط نہ لکھنے کا شکوہ منفرد انداز میں کیا ہے۔

منظر ملی ہے جس کو جلا تیری فکر سے
اس شخص نے تو حال بھی پوچھا کبھی نہیں

منظر اپنی غزل ''آگ سینے سے لگاؤں کیسے'' میں یہ بیان کر رہے ہیں کہ ملازمت کے سلسلے میں ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں اکیلے بیٹھے تھے اور ماضی کو یاد کر رہے ہیں ماضی کی محبتیں ہر لمحہ اور ہر پل ان کی نظروں کے سامنے ہیں جس کو بیان کر رہے ہیں:

یاد آتے ہیں سہانے منظر
ایسے لمحوں کو بھلاؤں کیسے

جاوید منظر مسقط میں تھے اور انھوں نے ایک غزل کہی ''پھر ترے دامن سے الفت کی مہک آئی مجھے'' اس میں بھی منظر نے اپنے محبوب کو یاد کیا ہے، اور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

بادلوں کی اوٹ سے جب چاندنی چھننے لگی
چاند سے چہرے پہ ان کی زلف یاد آئی مجھے

منظر نے ۱۹۸۵ء تک کے دور کے مسائل کا تذکرہ اپنی غزل ''کس قدر روح پشیماں ہے تمھیں کیا معلوم'' میں کیا ہے۔ یہ پاکستان بننے کے بعد کا وہ دور تھا جب لوگوں کے پاس ذریعہ معاش نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ روزگار کے لیے بیرونِ ملک جا رہے تھے تاکہ پیسہ اکٹھا کریں اور اپنے گھر بنا سکیں۔

اس مسئلے کو انھوں نے اپنی غزل کی صورت میں پیش کیا ہے۔ کہ اتنی پریشانی ہے کہ روح بھی پریشان ہے جب انسان کے پاس روزگار نہ ہوگا تو وہ بہت زیادہ پریشان ہوگا راتوں کی نیندیں ختم ہو چکی ہیں:

کس قدر روح پریشان ہے تمھیں کیا معلوم
کب کہاں کون پریشان ہے تمھیں کیا معلوم

شاعر اپنی غزل محبت کا نشان کوئی نہیں میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ میرے جیسا کوئی نہیں ہے۔ اپنی اہمیت کا اظہار یوں کر رہے ہیں:

مری صورت کو ترسو گے مرے بعد
مرے جیسا یہاں کوئی نہیں ہے

شاعر اپنی غزل ''جو سوچتا ہوں میں کیا وہی سوچتی ہو تم'' میں دیارِ غیر میں ہیں اس زمانے میں موبائل فون کا تصوّر نہ تھا آپس میں رابطے نہ تھے دوسرے ملک میں جانے سے دوری زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لیے شاعر نے جو غم اکیلے جھیلے ہیں ان کو منظوم شکل میں بیان کر دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ جو میں سوچتا ہوں کیا وہ ہی تم بھی سوچتی ہو میں اکیلے پن میں اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوں کیا تم بھی یہی کرتی ہو۔ میرے ہر خواب و خیال میں تم ہی بسی ہو تم کس طرح وہاں اپنا وقت گزار رہی ہو:

جو وقت میرا بڑا خامشی سے گزرا ہے
وہ وقت کیسے وہاں اب گزارتی ہو تم

شاعر اپنے محبوب سے محبت کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں نے تیرے علاوہ کسی کو بھی نہیں چاہا، ہر شاعر کے ہاں ایک محبوبہ ہوتی ہے جس کا وہ تذکرہ کر رہا ہوتا ہے لیکن جاوید منظر کی محبوبہ ان کی بیوی ہے یہ خصوصیت انھیں دیگر شعرا سے منفرد مقام دیتی ہے:

ماسوا تیرے کسی بھی شخص کو چاہا نہیں
میں نے اپنی زندگی میں اس طرح سوچا نہیں

شاعر نے محبوب سے دوری کو منفرد انداز سے بیان کیا ہے:

ملتے ملتے وہ بچھڑ جاتے ہیں
جب بھی ملنے کے زمانے آئے

شاعر گھر سے دوری اور اداسی کا بار بار اظہار کر رہے ہیں ملازمت کے سلسلے میں پردیس گیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ جب میں واپس آؤں گا تو تمھارے دل میں جو محبت میرے لیے پہلے تھی وہ اور زیادہ ہو جائے گی:

میں دور دیس گیا ہوں تو اس یقین کے ساتھ
ملو گے جب بھی مری روح میں سماؤ گے

سقوطِ ڈھاکہ کے وقت یہ نظم کہی تھی جب ہمارے ملک کا ایک اور بازو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا یعنی مشرقی پاکستان جو اب بنگلہ دیش کی صورت میں دنیا کے نقشے پر قائم ہوا ان حالات کو سوچتے ہوئے اور مستقبل کی فکر کرتے ہوئے یہ نظم ''آنے والا کل'' تحریر کی تھی جگہ کی قلت کی وجہ سے پہلی کتاب میں آدھی نظم لکھی اور بقیہ ''بے صدا بستیاں'' میں پیش کی جو کہ ان کی دوسری کتاب ہے:

ہزار سوچوں کا زہر جسموں کو ڈس رہا ہے
ہر ایک چہرہ اداسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہے

جاوید منظر اپنی غزل ''نہ کیف ہے نہ کوئی دل کشی ہے تیرے بغیر'' میں اپنے محبوب سے محبت کا اظہار کر رہے ہیں تیرے بنا میری زندگی میں کوئی دلکشی نہیں ہے میرے خون میں گرمی بھی نہیں ہے تیرے بنا میری زندگی نامکمل ہے:

میں دن گزار رہا ہوں گئے دنوں کی طرح
سزا یہ کون سی ملی ہے تیرے بغیر

نظم ''موڑ'' حقیقت میں منظر نے انسان کی حقیقت حیات و موت کے فلسفے کو پیش کیا ہے جس میں زندگی کے واقعات کا ایک ایسا دور شروع ہوا جس نے شاعر کو نظم ''موڑ'' کہنے پر مجبور کیا۔ جس کے ۳ بند ہیں پہلے اور دوسرے میں ماضی اور تیسرے میں حال سے تعبیر کیا۔ اس نظم کا ایک بند پیشِ خدمت ہے۔

اس موڑ پر میں ترا منتظر ہوں
جہاں زندگی نے حسین خواب دیکھے
کئی ولولے دل نے بے تاب دیکھے
مہکتی امیدوں کے مہتاب دیکھے
اس موڑ پر میں ترا منتظر ہوں

۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر جاوید منظر ملک سے باہر گئے ہوئے تھے ملکی حالات جو سقوطِ ڈھاکہ کے بعد رونما ہوئے ان حالات کے تناظر میں اس نظم کو لکھا گیا وہ اپنی زمین اور اپنی مٹی سے مخاطب ہوتے ہیں۔ منظر نے اس نظم میں اپنے ماضی کی عظمتوں کا حوالہ دیا ہے جہاں ہزار سال کی تہذیب ان کے واقعات، عظمت، فکر اور احساس کا آئینہ دار ہے:

میں اب بھی اے روز و شب کے راہی
اداس لمحوں کا نوحہ خواں ہوں

جاوید منظر کی شاعری خواب سفر کا تفصیلی جائزہ لینے پر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری نہایت منفرد انداز کی حامل شاعری ہے۔ ان کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی محبوبہ ان کے وجود کا حصّہ ہیں۔ کسی اور شاعر کے

ہاں ایسا نظر نہیں آتا، یہی خصوصیت انھیں دیگر شعرائے کرام سے منفرد بنا دیتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ احمد حسین صدیقی، دبستانوں کا دبستان، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص۱۳۶

۲۔ سلطانہ مہر، سخنور (حصہ سوم)، مربک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص۳۸۲

۳۔ احمد حسین صدیقی، دبستانوں کا دبستان، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص۱۳۶

۴۔ جاوید منظر، بے صدا بستیاں، مکتبہ عالمین، بی ۳۶۱، بلاک این، نارتھ ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص۱۵

۵۔ ایضاً، ص۱۶

۶۔ ایضاً، ص۱۵

۷۔ سلطانہ مہر، سخنور (حصہ سوم)، مربک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص۳۸۳

۸۔ رئیس امروہوی، دانشوروں کی آرا، مشمولہ بے سدا بستیاں، کراچی ۱۹۹۶ء، ص۱۸

۹۔ شبنم رومانی، دانشوروں کی آرا، مشمولہ بے سدا بستیاں، کراچی ۱۹۹۶ء، ص۲۱

۱۰۔ جون ایلیا، دانشور کی آرا، مشمولہ بے سدا بستیاں، کراچی، ۱۹۹۶ء، ص۲۰

۱۱۔ قمر جمیل، پیش لفظ، مشمولہ خواب سفر، کراچی ۱۹۸۶ء، ص۱۱